بسنت
بہار سے جھگڑے تک

بسنت مسلمانوں کا تہوار ہے یا ہندوؤں کا۔ اس موضوع پر مدت سے بحث جاری ہے۔ اسے دونوں مذاہب کے حمایتی مشترکہ ثقافت گردانتے ہیں لیکن آج بسنت منانے کے انداز کو دیکھیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بسنت جو کبھی پرامن ماحول میں خوشیوں کا باعث بنتی تھی آج ہلڑ بازی سے بڑھ کر قتل و غارت گری اور اسلحے اور دولت کی بے تحاشا نمائش کا تہوار بن گیا ہے۔

بسنت ثقافتی تقریب بن چکی ہے

بسنت والوں نے عوام کا سکون برباد کر دیا ہے

برصغیر میں لاہور کی بسنت سب سے منفرد اور نمایاں ہے

محمد نعیم

مشرق اپنی روایات، رسومات اور تہواروں کے معاملہ میں ہمیشہ ہی مالا مال رہا ہے۔ کوئی بھی موسم اور موقع ہو مشرقی باشندے اس میں خوشی اور رنگارنگی کا پہلو ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال بسنت کا تہوار ہے۔ سنسکرت کا لفظ بسنت اور فارسی لفظ بہار ہم معنی ہیں۔ اسے سرسوں کے زرد پھول کھلنے اور خوش الحان نغمات گنگنانے کا موسم کہا جاتا ہے۔ اس موسم کو سردی کے خاتمے کا اعلان اور بہار کی آمد کی نوید سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے مثل مشہور ہے "آئی بسنت پالا اڑنت" قدیم آریہ سال کو چھ موسموں میں منقسم کرتے تھے جس میں دو مہینوں کا ایک موسم ہوتا۔ بسنت رت انہیں موسموں میں سے ایک تھی۔ ہندو دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی کیلئے پھولوں کے نذرانے پیش کرتے۔ دوشیزائیں بسنتی لباس اور گجرے لگا کر موسم کا سواگت کرتیں۔ ایسے میں ہر طرف میلے کا سماں پیدا ہو جاتا۔ یہ میلے عموماً بکرمی سال کے مہینے ماگھ میں چاند کی پانچ تاریخ کو منائے جاتے جسے "بسنت پنچمی" کہتے ہیں۔ کبھی اس موقع پر باغوں میں جھولے پڑتے تھے، بسنت کے گیت گائے جاتے، بسنتی لباس پہنے جاتے اور فضا میں رنگ برنگی پتنگیں بڑھائی جاتیں۔ رفتہ رفتہ بسنت کے باقی سارے رنگ تو پھیکے پڑ کر ختم ہو گئے لیکن پتنگ بازی کا سلسلہ نہ صرف جاری رہا بلکہ اس روز بروز اضافہ اور ترقی ہی ہوتی رہی خصوصاً پتنگ سازی کے کام میں بڑا تنوع پیدا ہوا اور بڑے وسیع پیمانے پر رنگ برنگی پتنگیں تیار کی جانے لگیں۔

قیام پاکستان کے بعد پتنگ بازی کا شوق پنجاب سے نکل کر دوسرے صوبوں میں بھی پھیل گیا تاہم لاہور میں یہ ایک تہوار اور ثقافتی تقریب کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ گو بسنت کوئی مذہبی تہوار نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق کسی فرقے کی رسومات سے ہے بلکہ یہ سراسر ایک موسمی تہوار تھا جو رفتہ رفتہ اپنی خوبیاں سمیت کر خامیاں پھیلاتا جا رہا ہے۔ یوں تو راولپنڈی، سیالکوٹ، فیصل آباد، قصور اور بعض دیگر شہروں میں بھی بسنت منائی جاتی ہے لیکن جو رنگ لاہوری بسنت کا ہے اس کی نظیر ہی نہیں ملتی۔ بسنت سے ہفتوں قبل اس کی تیاریوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اندرون شہر میں بسنت کی تیاری خصوصاً بڑے اہتمام کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جا بجا ڈور بنانے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ پتنگوں کے پیشگی آرڈر دیئے جاتے ہیں۔ شہر اور بیرونی علاقوں میں بسنے والے عزیزوں کو دعوت نامے ارسال کئے جاتے ہیں۔ پھر بسنت سے ایک دو روز قبل "ریہرسل" شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ بسنت کے روز عروج پر پہنچ جاتا ہے۔

ان دنوں رات کو بسنت منانے کا رجحان بہت فروغ پا چکا ہے۔ فلڈ لائٹوں کی خیرہ کر دینے والی روشنیوں میں پورا شہر جگمگا اٹھتا ہے۔ اس پر سپیکروں اور ڈیکوں سے گانوں کی آوازیں فضا کو پرشور بنا دیتی ہیں۔ بسنت کیلئے کھانوں کا اہتمام بھی بڑے رچاؤ سے کیا جاتا ہے۔ شہر کی بڑی حویلیوں اور گھروں کی چھتوں پر باقاعدہ شامیانے بھی لگائے جاتے ہیں اور بسنت میں شرکت کیلئے غیر ملکی مہمانوں اور سفیروں تک کو مدعو کیا جاتا ہے۔ منٹو پارک سمیت متعدد پارکوں میں بسنت پر پتنگ بازی کے مقابلے ہوتے ہیں جن میں بھاری رقوم انعامات کے طور پر رکھی جاتی ہیں۔ بسنت کے بعد کئی ہفتوں تک فضا رنگ برنگی پتنگوں سے سجی رہتی ہے۔ یوں بہار کے موسم کی آمد اور دھوپ کی تمازت میں اضافے کے ساتھ ساتھ پتنگ باز آئندہ سال تک کیلئے اس شوق سے "دستبردار" ہونے لگتے ہیں۔

برصغیر میں پتنگ بازی اور بسنت کے فروغ میں مغل حکمرانوں کا ہاتھ نمایاں ہے۔ اکثر اوقات بادشاہ خود بھی شاہی کروفر سے پتنگ بازی کے مقابلے دیکھنے جاتے۔ یہ مقابلے دہلی میں لال قلعہ کے شمال میں سلیم گڑھ میں منعقد کئے جاتے تھے۔ لکھنؤ کے بانکے اور دہلی کے امراء ڈور میں سچے موتی پیس کر شاندار ڈور تیار کرواتے۔ اکبر بادشاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے عہد میں شہزادے چاندی کی جھالروں والی پتنگیں اڑایا کرتے تھے۔ مغلوں کے دور زوال میں پتنگ بازی کو بہت عروج حاصل ہوا۔ یہی نہیں درباری شاعر پتنگوں پر شاعری بھی کرتے اور شاہی پتنگوں کی تعریف میں قصیدے بھی کہتے۔ گو مغلوں کی حکومت کی پتنگ تو کٹ گئی لیکن یہ شوق بعد میں بھی مسلمانوں میں بدستور پسندیدہ رہا۔ دہلی، لکھنؤ، حیدر آباد دکن اور لاہور وغیرہ میں نہ صرف لوگ شوق سے پتنگ بازی کرتے بلکہ اس کھیل کے باقاعدہ اصول اور قواعد و ضوابط بھی طے پا چکے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے علاوہ پتنگ بازی کا شوق چین، جاپان، کوریا اور ملائیشیا میں بھی صدیوں سے پایا جاتا ہے۔ چینی نویں قمری مہینے کی نو تاریخ کو "دوہرے نو" کا تہوار مناتے۔ اس موقع پر گھروں کو کاغذی جھنڈیوں اور دوسرے فن پاروں سے سجانے کے علاوہ پتنگیں بھی اڑائی جاتی ہیں۔ چین میں پتنگ سازی کی تاریخ بھی صدیوں پرانی ہے۔ لیانگ خاندان (549ء) کے دور میں ہو چینگ نامی سردار نے جب بغاوت کر کے شاہی قلعے کو اپنے حصار میں لے لیا تو شہنشاہ کانگ نے ایک پتنگ کے ذریعے اپنا پیغام قلعے سے باہر پہنچایا اور کمک طلب کی۔ اس طرح بعد میں بھی متعدد جنگوں میں پتنگوں کے ذریعے پیغام رسانی کے علاوہ جاسوسی کا کام لیا جاتا رہا۔ چین میں تہوار کے موقع پر لوگ کھلی جگہوں پر جا کر پتنگیں اڑاتے ہیں۔ چین دوسرے ممالک کے درمیان ثقافتی تبادلے کیلئے بھی پتنگیں استعمال کرتا ہے۔ اپریل 84ء میں چین نے پتنگ بازی کا عالمی میلہ منعقد کیا جس میں دنیا بھر سے لوگوں نے شرکت کی۔ بیجنگ میں ایک سرکاری فیکٹری میں پتنگیں تیار کی جاتی ہیں جن سے چین خاصا زرمبادلہ کما رہا ہے۔ یہاں کئی اقسام کی پتنگیں تیار کی جاتی ہیں۔ پتنگ بنانے کا انداز اور تصویر کشی ہر قومیت اور علاقے کے رسم و رواج پر منحصر ہے۔ چین میں پرندوں، جانوروں، پھولوں اور ڈراموں کے کردار کی شکل کی پتنگیں تیار ہوتی ہیں۔ بڑی پتنگیں سو میٹر لمبی بھی ہوتی ہیں جبکہ ایک سینٹی میٹر جتنی چھوٹی پتنگیں بھی بنائی جاتی ہیں۔ پتنگ بنانے کیلئے کاغذ کے علاوہ کپڑا اور پلاسٹک بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

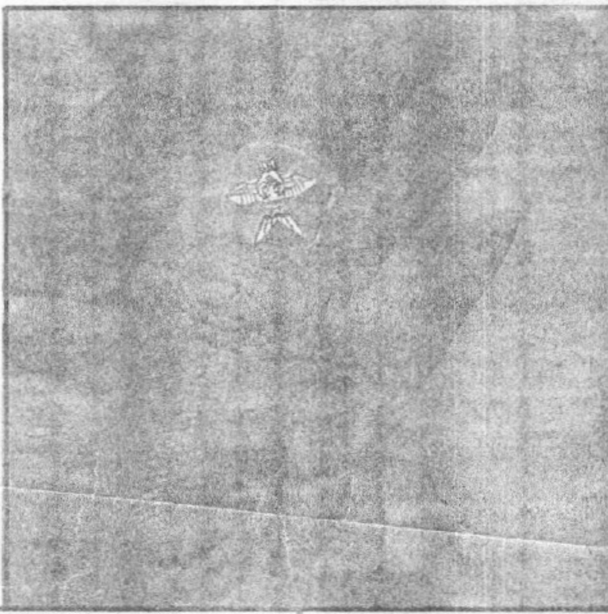

چین کی ایک خوبصورت پتنگ

چین کی طرح جاپان اور کوریا میں بھی پتنگ بازی کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ ایک زمانے میں جاپان میں اتنی اتنی بڑی پتنگیں اڑائی جاتی تھیں کہ اس کیلئے پورے پورے علاقے کی خدمات حاصل کرنا پڑتی تھیں۔ جاپان میں آج بھی 800 کلو گرام وزنی پتنگیں اڑانے کا رواج ہے۔ انہیں چالیس پچاس آدمی مل کر اڑاتے ہیں۔ مارچ 1980ء میں شیرون کے شہریوں نے 19ء7 میٹر لمبی اور 10ء40 میٹر چوڑی پتنگ اڑا کر عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ جاپان میں بہت بڑی بڑی اور وزنی پتنگیں اڑانا عام ہے۔ عموماً ایک پتنگ کا وزن دس کلو تک ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ٹوکیو کے ایک شخص سکاموتو نے پتنگ کے ساتھ اڑ کر ایک جزیرے سے دوسرے کا سفر طے کیا تھا۔ جاپان میں 5 مئی کو "بیٹوں کا دن" منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر والدین اپنے بیٹوں کیلئے پتنگیں اڑاتے ہیں۔ اس کا مقصد انہیں بلندی کی تعلیم و ترغیب دینا ہوتا ہے۔ ماہ جون میں جاپانی شہر شیرون (نگاتا) میں پتنگ بازی کا ٹورنامنٹ منعقد ہوتا ہے۔ اس موقع پر بہت بڑی بڑی پتنگیں فضا میں بلند ہوتی ہیں۔ شیرون دریا کے دونوں جانب 50، 50 آدمیوں کی ایک ایک ٹیم پتنگ اڑاتی ہے۔ مقابلہ 4 گھنٹے جاری رہتا ہے۔ پتنگ اڑانے کیلئے موٹے رسے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعض جاپانی سکولوں میں بچوں کو پتنگ اڑانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ انہیں ہوا کے رخ، کشش ثقل اور دیگر سائنسی اصول بھی سمجھائے جاتے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں بچے کو یہ بات ضرور ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ ان کی پتنگ کی پرواز میں تدبر، شان و شوکت اور تخلیق کا عنصر نمایاں ہو۔ ٹوکیو میں 1976ء میں ایک پتنگ میوزیم بھی قائم کیا گیا۔ یہاں ایک گرام سے لے کر ڈھائی من تک کی پتنگیں نمائش کیلئے موجود ہیں۔ بھارت کے شہر احمد آباد میں بھی ایک ایسا ہی عجائب گھر موجود ہے۔ یہ عجائب گھر ایک مسلمان بھانو شاہ کی ملکیت ہے۔ ٹوکیو کے بعد دنیا میں قائم ہونے والا یہ دوسرا پتنگ عجائب گھر ہے۔ اس کا آغاز 1986ء میں ہوا۔ ملائیشیا میں بھی پتنگ سازی و پتنگ بازی بہت مقبول ہے۔ دلکش نقش و نگار اور مختلف شکلوں کی یہ پتنگیں سیاحوں کو اپنی جانب راغب کرتی ہیں۔ یہاں لوگ ساحل سمندر پر پتنگیں اڑاتے ہیں۔ 1896ء میں کولمبیا میں پتنگوں کی ایک نمائش منعقد ہوئی تھی جس میں ملائی سلطان نے نایاب پتنگوں کے تحفے ارسال کئے تھے۔

پتنگ بازی آج ایک کھیل بن چکا ہے لیکن کبھی اس سے جذباتی لگاؤ اور توہم پرستی کی کہانیاں بھی منسوب تھیں۔ ایک دور تھا کہ جاپان میں لوگ روحوں اور دیوتاؤں سے رابطے کا ذریعہ صرف پتنگ کو سمجھتے تھے۔ کچھ قبائل خبیث روحوں سے محفوظ رہنے کیلئے فضا میں پتنگیں بلند کرتے۔

حربی مقاصد کیلئے بھی پتنگ استعمال ہوئی اور سائنسی تجربات کیلئے بھی۔ محققین پتنگ کی ایجاد کا سہرا یونانی سائنس دان آرچی ٹاس کے سر باندھتے ہیں جس نے 5ویں صدی قبل مسیح میں پتنگ اڑائی تھی۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ اس سے بھی قبل ایک چینی مفکر "موزو" نے پتنگ تیار کی۔ یہ پتنگ میگ پائی (جنگلی کوے) کے پروں سے تیار کی گئی تھی۔ بہرحال یہ بات طے ہے کہ پتنگ ایجاد کرنے والا کوئی مفکر، مدبر یا سائنس دان ہی تھا۔

1749ء میں گلاسگو کے سائنس دانوں نے پتنگ کے ذریعے بادلوں کا درجہ حرارت معلوم کیا۔ 1752ء میں بنجمن فرینکلن نے بادلوں سے بجلی معلوم کرنے کا تجربہ پتنگ ہی کے ذریعے کیا تھا۔ 1883ء میں ڈگلس نامی سائنس دان نے پتنگ کے ساتھ کیمرہ باندھ کر زمین کی تصاویر بنائیں۔ 1892ء میں لارنس ہارگریو نے اس کے ذریعے ہوا کا دباؤ معلوم کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں افواج کی نقل و حرکت کی معلومات اور ایئر بیالی سگنلز بھی پتنگوں ہی کی مدد سے عمل میں آئے۔ تاہم شوق کی حد تک پتنگ بازی کا رجحان مشرقی ممالک میں عروج پر رہا ہے۔ ایک برطانوی سکالر کے مطابق برطانیہ اور ہالینڈ میں پتنگ تاجروں نے متعارف کرائی تھی۔ اس وقت یورپ میں بھی پتنگ بازی کا رجحان بڑھا ہے۔ تاہم موسم کی بے اعتدالیوں کی بنا پر اسے وہ عروج حاصل نہیں ہو سکا جو ایشیاء میں حاصل ہے۔ امریکہ میں چھتری نما اور ہالینڈ میں دمدار پتنگیں مقبول ہیں۔ نیوزی لینڈ میں صندوق نما اور ناروے، اٹلی وغیرہ میں موسیقی والی پتنگوں کا رواج ہے۔

برصغیر میں یہ کھیل خواتین میں بھی خاصا مقبول رہا ہے عورتوں میں اس کھیل کی ابتداء کا سہرا قلو پطرہ کے سر بندھتا ہے۔ لکھنؤ کی خاتون زہرہ خورشید کا نام ماہر پتنگ بازوں کی فہرست میں نمایاں ہے۔

اردو شاعری بھی پتنگوں کے تذکرے سے خالی نہیں کہتے ہیں کہ مرزا غالب بھی اپنے بھتیجے کے ساتھ پتنگیں اڑایا کرتے تھے بعض شعراء نے پتنگ بازی اور بسنت کا ذکر اپنی نظموں اور غزلوں میں کیا ہے بالخصوص نظیر اکبر آبادی، امانت لکھنوی، انشاء اللہ خان انشاء اور ناسخ نے اس موضوع پر بے مثال اشعار کہے۔ ناسخ نے تو ڈور اور ٹوٹے دل کے درمیان ایسی شاعرانہ تاویل بیان کی کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔

دے اسی کا کوئی کر مانجھا تو اپنی ڈور کو
شیشۂ دل میرے پہلو میں جو چکنا چور ہے

ہمارے ہاں ماہ جنوری سے مارچ تک بسنت کا موسمی تہوار بڑی سج دھج سے منایا جاتا ہے۔ پتنگ بازوں کی تنظیمیں اسے ایک باضابطہ کھیل تسلیم کرانے میں کوشاں ہیں گو اس صنعت سے بے شمار افراد کا روزگار وابستہ ہے تاہم یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ شائقین محض ایک بے مقصد شوق کی خاطر سالانہ کروڑوں روپیہ ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ پتنگ سازی کے لئے بانس بنگلہ دیش، برما، تھائی لینڈ اور تائیوان وغیرہ سے منگوایا جاتا ہے۔ اس طرح کاغذ کی درآمد پر کثیر رقم خرچ ہوتی ہے سب سے بڑھ کر جو قباحت ان دنوں سامنے آئی ہے وہ رات کو پتنگ بازی کی ہے اس سے جہاں لوگوں کے سکون میں بے پناہ خلل پیدا ہوتا ہے وہیں بجلی کا بھی بے تحاشہ ضیاع ہوتا ہے جس کا یہ غریب اور "لوڈشیڈنگ زدہ" ملک قطعی متحمل نہیں ہو سکتا۔ پھر ڈور کے علاوہ دھات کے تاروں سے پتنگ اڑانے سے سنگین حادثات بھی رونما ہوئے ہیں جن میں املاک کے نقصان کے علاوہ قیمتی جانوں کا اتلاف بھی ہوا ہے بسنت کے موقع پر ہوائی فائرنگ بھی اس سلسلے کا ایک افسوسناک پہلو ہے۔

گویا پھولوں سے شروع ہونے والا تہوار کانٹوں کی سیج بن چکا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اسے مثبت انداز سے منا کر ہم ملکی دولت کی تباہی کے علاوہ سکون کی بربادی کا باعث بھی نہ بنیں۔

جاپان میں 800 کلو گرام سے زیادہ وزنی پتنگیں بھی اڑائی جاتی ہیں

یورپ میں موسم کی بے اعتدالی کی وجہ سے پتنگ بازی فروغ نہ پا سکی

دھات کے تاروں سے پتنگ اڑانے سے متعدد سنگین حادثات ہو چکے ہیں

ٹوکیو کائٹ میوزیم میں ایک گرام سے ڈھائی من وزنی پتنگیں موجود ہیں

منفرد انداز کی ایک پتنگ "ڈڈا"

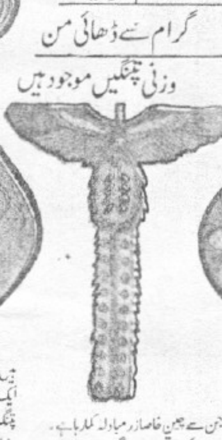

بچے کی شبیہ سے مزین ایک چینی پتنگ

پتنگ جنگی مقاصد اور سائنسی تجربات کیلئے بھی استعمال کی جاتی تھی